بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن

کینے سے پاک رہنے کی دعا

اور وہ جو (مہاجرین) ان کے بعد آئے یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ نہ پیدا ہونے دے، اے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا، بے حد مہربان ہے۔ {سورۃ الحشر: آیت ۱۰}

الحدیث

کینے والوں کی مغفرت کی شرط

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پھر ہر ایسے بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو سوائے ان دو شخصوں کے جن کے دلوں میں کینہ ہو، ان کے بارے میں انتظار کرو یہاں تک کہ یہ آپس میں صلح کر لیں۔" یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دہرایا۔ {مسلم}

خواتین کے دینی مسائل

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

جہالت اور توہم پرستی کی باتیں:

سوال: ہمارے گاؤں میں بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ ہری آنکھوں والے لوگ بہت خود غرض ہوتے ہیں، اور نیلی آنکھوں والے بے وفا ہوتے ہیں۔ اِن باتوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسی طرح مخصوص اوقات کے بارے میں مخصوص عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟ مثلاً فلاں مہینے میں پیدا ہونے والے لوگ فلاں خصوصیات (خوبیوں یا خامیوں) کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر اِن باتوں پر یقین رکھے بغیر صرف علم میں اضافے کے لیے ایسی چیزوں کا مطالعہ کیا جائے اور انھیں پڑھا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ (سکینہ عبدالغفور۔ واہ کینٹ)

جواب: یہ تمام باتیں جہالت اور توہم پرستی کی پیداوار ہیں۔ شریعت کی نظر میں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان پر یقین کرنا اور ان کا سیکھنا سکھانا حرام ہے۔ ان پر یقین نہ رکھتے ہوئے بھی انھیں پڑھنا وقت کا زیاں ہے۔ اسے علم میں اضافے کا نام دینا بھی جہالت ہے، ورنہ حقیقی علم وہ ہے جو آخرت سنوارنے میں مسلمان کی رہنمائی کرے۔

لے پالک کے احکام:

سوال: ہمارے یہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص نے اپنا معصوم بچہ اپنی بے اولاد بہن کو دے دیا۔ اس نے بچے کی تربیت کی اور پال پوس کر بڑا کیا۔ جوان ہونے کے بعد بچے کو معلوم ہوا کہ جس شخص کو وہ اب تک ماموں کہتا آ رہا ہے، وہ ماموں نہیں بلکہ اس کا والد ہے۔ حقیقت کھلنے پر اسے سخت صدمہ پہنچا۔ اس نے برا منایا بلکہ بگڑ گیا، سوال یہ ہے کہ کیا والدین کا معصوم بچے کو اس کی رضا کے بغیر دوسروں کے سپرد کر دینا جائز ہے؟ کیا بچے کا والدین پر یہ حق نہیں کہ وہ اس کی پرورش کریں؟ منہ بولے بیٹے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے متعلق شرعی احکام کیا ہیں؟ (ام محمد۔ کبیر والا)

جواب: اگر بچے کے والدین باہمی رضامندی سے بچہ کسی دوسرے مسلمان جوڑے کو لے پالک دے دیں تو جائز ہے۔ معصوم بچے کی رضا عدم رضا کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر اس میں بچے کی حق تلفی ہو یعنی صحیح پرورش اور پوری دیکھ بھال نہ ہو تو والدین اپنا بچہ واپس لے سکتے ہیں۔ اسی طرح بچہ بڑا ہو جائے تو وہ آزاد ہے، جس گھر میں چاہے رہ سکتا ہے۔ باقی بچے کے گود لینے سے شرعی احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یعنی بچے کی نسبت حقیقی والدین کی طرف ہوگی۔ کاغذات میں اندراج بھی ان کے نام سے ہوگا، یہ متبنّیٰ اپنے والدین کی میراث میں دوسرے بہن بھائیوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ اس کے وارث بھی حقیقی والدین ہی ہوں گے، اسی طرح گود لینے والے جوڑے کا بچے/ بچی سے محرمیت کا کوئی رشتہ نہ ہو تو اُن کے جوان ہونے کے بعد جانبین سے پردہ ضروری ہوگا، ہاں اگر ایسا حیلہ اختیار کر لیا جائے کہ گود لینے والی خاتون خود یا اس کی بہن یا بھانجی یا بھتیجی شیر خوار بچے کو ایک بار دودھ پلا دے تو رشتۂ رضاعت ثابت ہونے کے سبب قریبی خواتین کو اس سے پردہ معاف ہوگا اور اگر شیر خوار بچی کو دودھ پلا دیں تو رضاعت کے سبب قریبی مردوں سے اس کو پردہ معاف ہوگا۔

قبل از اسلام زمانۂ جاہلیت میں متبنّیٰ کو حقیقی اولاد کا درجہ دیا جاتا تھا، اس کی نسبت والدین کی بجائے گود لینے والے جوڑے کی طرف کی جاتی تھی۔ ان کے مرنے پر یہ وارث قرار پاتا تھا۔ اس کے مرنے پر وہ وارث قرار پاتے، لیکن اسلام نے اس پر قدغن لگائی اور ان تمام باتوں کو باطل قرار دیا۔ قرآن نے واضح الفاظ میں حکم دیا: **ادعوھم لاٰبائھم ھو اقسط عند اللہ**... الآیۃ (تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ یہی طریقہ اللہ کے نزدیک پورے انصاف کا ہے) (۳۳/۵)

☆☆☆

آپ کے سوالات

آئینہ گفتار

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آج پہلی اور شاید آخری ہی بار رسالے کے اس صفحے پر بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام دونوں کے لیے ایک ہی تحریر شائع ہو رہی ہے۔ اور اس کی وجہ بنے ہیں قارئین کے ایک جیسے تابڑتوڑ سوالات۔

تین دن قبل جو بچوں کا اسلام آیا، اس میں یہی تفصیلات لکھیں تو خیال آیا کہ خواتین کا اسلام میں بھی یہ تفصیلات دینا چاہیے۔ کیوں کہ ہمارے علم میں، بہت سارے گھر ایسے بھی ہیں جہاں صرف خواتین کا اسلام کو اندر آنے کی اجازت ہے، اسی طرح بہت سارے گھر ایسے بھی ہیں جن کی چوکھٹ صرف بچوں کا اسلام پار کرتا ہے۔

خیر؛ عام طور پر سب سے زیادہ جو سوال سوشل میڈیا پر اور میسیجز، فون پر ہم سے ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہم بچوں کا اسلام/خواتین کا اسلام سال بھر کے لیے گھر پر لگوانا چاہتے ہیں، اُس کا طریقہ کار کیا ہے؟

بہنیں ملاحظہ فرمالیں کہ بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام گھر پر لگوانے کے لیے، یا اگر لگوائے ہوئے ہیں اور آپ کو پہنچ نہیں رہے تو شکایت نوٹ کروانے کے لیے، نیز آپ نے بچوں کا اسلام یا خواتین کا اسلام کا کوئی خاص نمبر یا سالنامہ منگوانا ہے یا پرانا کوئی بھی شمارہ، اس کے لیے ادارے نے ایک واٹس ایپ (03213557807) نمبر سرکولیشن میں دے رکھا ہے۔ اُس پر علاوہ اتوار کسی بھی دن صبح دس سے شام چار بجے تک نماز کے اوقات کے علاوہ رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ بذریعہ کال بھی اور بذریعہ واٹس ایپ پیغام بھی۔

اگر پہلی بار میں کسی وجہ سے بات نہ ہوسکے تو دوسری بار میں عموماً بات ہوجاتی ہے۔

اِس وقت ہزاروں قارئین نے اپنے گھر پر دونوں رسائل سالانہ جاری کروا رکھے ہیں، جن کی ڈاک ہر ہفتے باقاعدگی سے پوسٹ ہوتی ہے۔ اب نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ جن قارئین کو ایک بار رسالہ جاری ہوجائے، چاہے انھوں نے ممبر شپ لی ہو یا اعزازی رسالہ انھیں جاتا ہو، انھیں بغیر اطلاع کبھی رسالہ بند نہیں کیا جاتا، سو اگر آپ کو ایک یا زیادہ ہفتے تک رسالے نہیں ملے ہیں تو اس کی واحد وجہ جو ہوسکتی ہے، وہ ڈاک خانے کی طرف سے غفلت ہے۔

اس لیے عرض ہے کہ اگر آپ کو مسلسل دو ہفتے تک رسالہ نہ ملے تو اپنا نام اور ممبر شپ نمبر وغیرہ اوپر دیے گئے نمبر پر واٹس ایپ کر کے شکایت نوٹ کروادیں۔ بلکہ زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ پچھلے کسی رسالے کا اگر لفافہ موجود ہے تو اس پر جہاں آپ کا پتا ادارے نے کمپوز کروایا ہوتا ہے، اس کی تصویر لے کر اس نمبر پر واٹس ایپ کردیں اور نیچے مختصر لکھ دیں کہ اس پتے پر اتنے اتنے ہفتوں سے رسالہ نہیں آرہا۔

یقین کیجیے، شکایت پر ہمیشہ فوراً کارروائی کی جاتی ہے۔ ڈاک خانے جا کر معاملے کی پوری پڑتال کی جاتی ہے۔ نیز کوشش کی جاتی ہے کہ کم از کم ایک ہفتہ اِس پتے پر رجسٹری ڈاک سے رسالہ بھیجا جائے تاکہ قاری کو وہ رسالہ تو ہر صورت مل جائے اور وہ اپنے علاقے کے ڈاکیے سے احتجاج بھی کر سکے۔

بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پورے سال رسالہ بھیجا جائے تو قاری کے مزید چھے سو روپے خرچ ہوجاتے ہیں، اس لیے ہم مہنگائی کے اس دور میں رجسٹرڈ ڈاک کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، البتہ یہ اہتمام ضرور ہوتا ہے کہ ہر نئی ممبر شپ کو پہلے تین ہفتے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک رسائل بھیجے جائیں تاکہ ڈاکیا کا قدم دو تین بار آپ کی چوکھٹ پر پڑ جائے اور وہ آپ کی ڈاک سے اور آپ ڈاکیے سے مانوس ہوجائیں۔

کیا کیجیے جناب! ہر شعبے، ہر محکمے کو زوال کی دیمک لگ گئی ہے۔ سو کبھی ڈاکیے کی منت سماجت کر کے تو کبھی رجسٹرڈ ڈاک کے حیلے کر کے آج کل کام نکلوانا پڑتا ہے۔

اچھا، دیے گئے اِس نمبر پر ایزی پیسہ اور موبی کیش اکاؤنٹس بھی بنے ہوئے ہیں۔ یہ بات اِس لیے لکھی کہ اکثر قارئین پوچھتے ہیں کہ پیسے کیسے بھیجیں؟ منی آرڈر تو بہت مشکل کام ہے۔ اُن کے لیے عرض ہے کہ اب ایزی پیسہ، موبی کیش وغیرہ کے ذریعے پیسے بھیجنا بہت ہی آسان ہے۔

بچوں یا خواتین کا اُلٹ نمبر منگوانا ہو تو بھی آپ اسی نمبر پر رابطہ کر کے منگوا سکتے ہیں۔

ویسے سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے، اس کے لیے بالکل الگ ایک شعبہ ''شعبۂ سرکولیشن'' کے نام سے قائم ہے، جس کا نمبر اوپر دیا گیا ہے، لیکن عموماً قارئین مدیر ہی کو ہر بات کا جوابدہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو شاید اِس لیے بھی کہ ہمارے ہاں مدیر کے ساتھ ''مسئول'' کا لاحقہ لگا ہوتا ہے، جس کا مطلب ہی ''جس سے سوال پوچھا جائے'' ہے۔

خیر کوئی بات نہیں، ہم ہیں نا آپ کی خدمت کے لیے، آپ کو ہر جواب دینے کے لیے۔ بس آپ سب ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھا کیجیے۔

والسلام مدیر مسئول محمد فیصل شہزاد

مدیر اعلیٰ: مفتی فیصل احمد | مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیر مسئول: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1200 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 18000 روپے، دو میگزین 20000 روپے

سرخ رو

بنت نجم الدین۔ ڈیرہ اسماعیل خان

"امی! آج کون سا سوٹ پہنوں؟ دونوں ہی بہت اچھے لگ رہے ہیں، میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی!"

کنول نے کام والے سوٹ اپنی ساس امی کے سامنے پھیلائے تو وہ اپنی خوشی کو بمشکل چھپا رہی تھیں۔

مجھے تو شوخ رنگ زیادہ اچھا لگتا ہے۔ یہ کاسنی رنگ تو میرا شروع سے پسندیدہ رہا ہے۔"

"امی واقعی آپ کی پسند بہت اچھی ہے۔ سارے ہی بری کے سوٹ مجھے پسند آئے ہیں۔"

کنول دل سے تعریف کر رہی تھی تو زاہدہ بیگم کے دل میں جگہ بنا رہی تھی۔

اُدھر بڑی بہو تھی جو ہر چیز کو ہی تنقید سے دیکھتی رہی۔ رہنا نہیں تھا ساتھ تو نہ بنی۔ ثوبان کی شادی سے پہلے ہی الگ گھر میں شفٹ ہوگئی۔

"امی آج کیا بنانا ہے؟"

کنول نے زاہدہ بیگم سے پوچھا۔

"بیٹی! جو دل چاہے بنالو۔"

زاہدہ بیگم نے بھی اسی پر چھوڑا۔

"امی جی! آپ بتائیں ناں آپ کا کیا کھانے کا موڈ ہے؟ وہی بنالوں گی۔"

اسفر علی نے زاہدہ بیگم کو دیکھا۔

"بتادو ہماری بہو کتنی محبت سے تو پوچھ رہی ہے۔"

"بیٹا! آج تو میں بھائی کی طرف جا رہی ہوں، کھانا بھی وہیں کھاؤں گی، تمھارا جو دل چاہے بنالو، ساری چیزیں موجود ہیں۔"

اُدھر اسفر علی سوچ رہے تھے کہ میں تو سمجھا تھا کہ زاہدہ بیگم ہی بڑی بہو کے ساتھ ٹھیک نہیں رہی تھیں جو گھر میں ہر وقت بے سکونی رہتی تھی۔ کنول نے اچھا رویہ رکھا تو وہ بھی اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھیں۔

☆......☆

آمنہ کا رشتہ طے ہو رہا تھا۔ زیادہ لوگوں کا کھانا بنانا تھا۔ بڑے برتن کی ضرورت پڑی تو آصفہ بولی:

"بھابی! میں چچی سے لے آتی ہوں۔ ہمیں ضرورت پڑتی ہے تو انھی لے آتے ہیں۔"

"کیوں آصفہ! میرا ہے تو دوسرے گھر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اپنے بھائی سے کہو نکال دیں گے۔"

آصفہ کے چہرے پر خوشی دوڑ گئی۔ وہ اندر دوڑتی چلی گئی۔

☆......☆

موسم سرد تھا۔ شادی کے بعد پہلی بار کنول نے کپڑے دھوئے تھے۔ دیکھا تو ڈرائیر نہیں تھا۔ کپڑوں کو سوکھنے میں بہت وقت لگ گیا۔ اگلی بار اس نے ایک دن پہلے ڈرائیر نکال لی تو آصفہ (نند) نے اچنبھے سے پوچھا:

"بھابی! آپ نے ڈرائیر نکال لی؟"

"آصفہ! ضرورت کے لیے ہی لی تھی۔ اب سہولت ہوجائے گی۔ میں گھر پر کپڑے دھوتی تھی ناں تو ڈرائیر سے کپڑے سوکھتے ہی استری بھی اسی دن کر لیتی تھی۔"

"بھابی! آپ بہت اچھی ہیں، بہت زیادہ اچھی۔"

آصفہ نے دل سے تعریف کی۔

"اچھا۔" کنول کو ہنسی آگئی۔

"بڑی بھابی کے ساتھ تو ہمارا بہت مشکل وقت گزرا۔ بات بات پر جھگڑا۔ کسی چھوٹی سی چیز کو بھی بھائی نے کبھی نکالنے کا کہا تو انھوں نے فساد کیا۔ انھوں نے ہر بات میں 'اپنا اپنا' کیا، یہاں تک کہ ہمارے بھائی کو بھی اپنا کرلیا۔ اب ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ کتنا فرق ہے آپ دونوں میں۔"

"ارے آصفہ! کوئی بات نہیں۔ بس مزاج مزاج کا فرق ہوتا ہے۔ بھابی کو اپنی چیز شیئر کرنا اچھا نہیں لگتا ہوگا، یہ ان کا حق بھی ہے، ویسے وہ دل کی اچھی ہیں۔"

کنول نے رسان سے آصفہ کو کہا تو وہ حیرت سے انھیں دیکھنے لگی۔

☆......☆

"امی پوچھتی ہیں کہ آصفہ کے بھائی کا مزاج کیسا ہے اور آپ سب کا بھی۔"

کنول ساس امی اور آصفہ کے ساتھ بیٹھی کہہ رہی تھی۔

"میں کہتی ہوں اُن سے کہ امی! آپ اور ابو کی دعاؤں سے مجھے بڑا دوستانہ ماحول ملا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں اپنوں میں ہی ہوں، کوئی فرق ہی نہیں اور آصفہ کے بھائی پر بھی امی جی کی تربیت ہی کا اثر ہے، ماشاءاللہ بہت اچھے ہیں، مجھے ان کی یہ عادت ہی سب سے اچھی لگتی ہے کہ گھر کے سب رشتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔"

کنول اپنے میں مگن بولے جا رہی تھی اور زاہدہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کنول کا ماتھا چوم لیں۔

آصفہ کے چہرے کا رنگ بھی گلاب کے پھولوں کی طرح کھل گیا۔

کنول بولی: "میں کہہ رہی تھی اِن سے کہ میں نے خالہ کی طرف جانا ہے ان کی طبیعت خراب ہے، چلی جاؤں؟ تو پہلی بات ہی انھوں نے یہ کہی کہ امی سے پوچھ لو، میں نے کہا میں آپ سے اجازت لوں گی ملے گی تو پھر امی سے کہوں گی، بلکہ میں نے تو جانا ہی امی کے ساتھ ہے تو اس پر وہ خوش ہوگئے، لیکن کہنے لگے آج نہیں کل، تو امی! آپ تیار رہیے گا، کل چلیں گے۔"

"اچھا بیٹی! جب کہو گی چلی جاؤں گی، ہاں کچھ منگوا لینا میں تو پہلی ہی بار جاؤں گی ناں!" زاہدہ بیگم نے خوشی سے کہا۔

☆......☆

"امی فون آیا ہے آصفہ کے بھائی کا، کہا ہے تیار ہوجاؤ، کہیں گھمانے پھرانے کا ارادہ رکھتے ہیں، آدھے گھنٹے تک پہنچ جائیں گے۔ آصفہ! تم بھی تیاری کرو، امی آپ بھی، میں کام سمیٹ لیتی ہوں۔"

آدھے گھنٹے میں وہ سب تیار ہوگئے تو ثوبان کا فون آیا کہ باہر آجاؤ۔

باہر نکلے تو ثوبان ایک نئی چمچماتی گاڑی کے ساتھ کھڑا تھا۔

کنول کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ آصفہ اور زاہدہ بیگم نے بھی اچنبھے سے پوچھا:

"یہ کیا؟"

''سرپرائز تھا بھئی تم سب کے لیے۔'' ثوبان نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔
وہ تینوں خوشی سے نہال ہو گئے۔ امی بڑھ کر ثوبان کو برکت کی دعا دینے لگیں۔
''چلیے امی! فرنٹ سیٹ پر بیٹھیے۔''
کنول نے ساس امی کو آگے کیا۔
''نہیں بیٹی! تم بیٹھو۔''
''نہیں امی! آپ آگے بیٹھیں۔ آپ کی دعاؤں ہی نے تو یہ سواری دی ہے۔ میں تم سے کہہ رہا تھا ناں دعا کرو میرا دوست راضی ہوجائے۔ آج اس نے چابی ہی دے دی پیسوں کا بھی سوال نہ کیا، بولا جب ہووے دینا۔''
''اللہ اور زیادہ دے تمھیں۔'' ماں نے خوشی کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے کہا۔

☆......☆

''آپ کچھ خاموش سے لگ رہے ہیں، خیریت تو ہے؟''
کنول نے کہا تو ثوبان نے کنول کو دیکھا۔
''آصفہ کی شادی کا کہہ رہے ہیں اس کے سسرال والے۔''
''ہاں مجھے امی بتا رہی تھیں کل کہ اگلے ماہ کی کوئی تاریخ رکھنی ہے۔''
کنول نے امی کے الفاظ دہرائے۔
''میرے پیسے پھنسے ہوئے ہیں ایک دوست کے پاس، بڑے بھیا سے تو کوئی امید نہیں رکھی جاسکتی، خیر فرنیچر بھی ہوجائے گا، امی نے بھی کچھ ہی سامان اکٹھا کیا ہوا ہے، لیکن باقی ضروریات......؟''
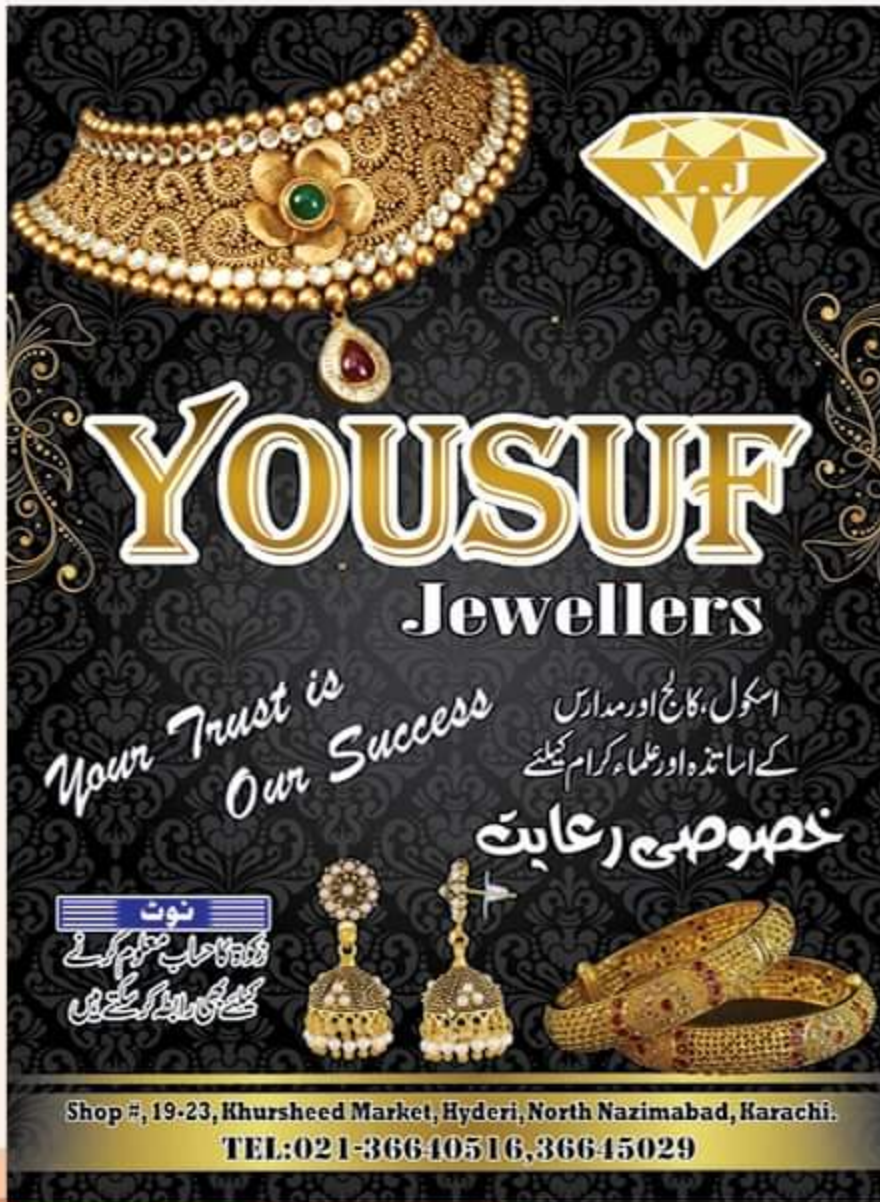
کنول نے ثوبان کو بولنے سے روکا۔
''بات سنیے! یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی فکر کی۔''
''میرا سامان ہے جو چیز چاہیں لے لیں، حاضر ہے، اجازت ہے۔''
''لوگ کیا کہیں گے؟''
''لوگوں کو کون بتائے گا؟ گھر کا فریج نیا ہی ہے جو استعمال ہو رہا ہے، میرا فریج آصفہ کو دے دیں۔ واشنگ مشین بھی آصفہ بتا رہی تھی، دو سال پہلے ہی نئی لی گئی ہے، اگر نئی نہ بھی ہوتی پھر مسئلہ نہیں تھا، ضرورت تو پوری ہو رہی ہے، میری بھی تو رکھی ہی ہے، کپڑوں کی الماری میری نئی کھڑی ہے، الحمدللہ! یہاں تو ہر کمرے میں الماریاں لگی ہیں۔ مجھے ضرورت نہیں، جو چیز ابھی نہیں لی تو لے لیں، مجھے خوشی ہوگی میرا سامان میری اپنی ہی بہن کے پاس جائے گا، میں بس آپ کو فکروں میں نہیں دیکھ سکتی، آپ بے فکر ہوجایئے، ان شاء اللہ آپ سرخ رو ہوکر بہن کے فرض سے فارغ ہوں گے۔ میری دعائیں ہیں آپ کے ساتھ!''
اتنی ہمدرد شریکِ حیات!......ثوبان کے سر سے جیسے سب بوجھ ہٹ گیا تھا۔
جب زاہدہ بیگم کے سامنے بات ہوئی تو بے انتہا خوشی کا اظہار ڈھیروں دعاؤں کی صورت میں کرنے لگیں۔ صرف اسی کو نہیں اُس کے والدین کی تربیت کو بھی سراہا۔ آج انھوں نے پہلی بار الفاظ میں اُس کے اخلاق کی تعریف کی تھی۔ کنول نے ڈبڈباتی آنکھوں سے مالکِ کائنات کا شکر ادا کیا، جس کی بدولت وہ سرخ رو ہوئی تھی۔

☆☆☆

آج کل

اثر جونپوری

نیٹ میں موبائل میں ہی مشغولیت ہے آج کل
کیا بتاؤں کس قدر مصروفیت ہے آج کل
رحمتوں سے دوریاں خود مولتے ہیں مومنیں
خندزن ابلیس کی مردودیت ہے آج کل
کب ادیبوں شاعروں کو جانتی ہے نسلِ نو
میڈیا پرسنس کی مقبولیت ہے آج کل
سچ بتاؤں اس نے خود روباہیت دکھلائی ہے
شیر کا مقسوم جو محکومیت ہے آج کل
پھر سما سے کیوں نہ نازل ہوں غضب کے فیصلے
ارض پر مغضوب کی محبوبیت ہے آج کل
عشق والے تو جنوں کے فیض سے محفوظ ہیں
عقل والوں ہی میں نامعقولیت ہے آج کل
جیسے اُن جیسا کوئی مقہور دنیا میں نہیں
ظالموں کے رخ پہ یوں مظلومیت ہے آج کل
پرسوں میرے خواب میں اقبالؔ آئے تھے اثرؔ
یوں طبیعت میں بھی کچھ موزنیت ہے آج کل

دو قاتل زہر

یہ وہ موضوع ہے جس پر بہت زیادہ لکھا گیا، بہت زیادہ کہا، سنا اور پڑھا گیا ہے، لیکن لکھنے والے نے اسے صرف ایک افسانہ، ایک کہانی سمجھ کر لکھا اور پڑھنے والوں نے بھی شاید ایسا ہی کیا۔

لیکن یہ اتنا معمولی اور ارزاں موضوع تو نہیں، بلکہ نہایت اہم اور قابل توجہ معاملہ ہے۔

دراصل دو چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے ہمارے معاشرے، ہماری اقدار اور ہماری مذہبی روایات کو بری طرح مجروح کر رکھا ہے۔ ہمارے معاشرے کی تباہی میں کچھ عمل دخل ان کا بھی ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم نے سارا الزام سوشل میڈیا پر ڈال دیا اور خود بری الذمہ ہو کر بیٹھ گئے۔

سچ تو یہ ہے کہ میڈیا بھی عموماً وہی دکھاتا اور سناتا ہے جو حقیقتاً ہمارے معاشرے میں چل رہا ہوتا ہے۔

اول جس کا ہمارے معاشرے کی اخلاقی گراوٹ میں بڑا ہاتھ ہے، وہ ہے 'مشترکہ خاندانی نظام'! یہ وہ نظام ہے جسے دین ہی کی طرح مقدس مانا جاتا ہے جب کہ دین اسلام میں ایسی کوئی ہدایت ایسا کوئی تصور نہیں ہے، لیکن یہ مقدس ہو کر ہمارے معاشرے کا لازمی جز بن چکا ہے۔ اگر کوئی اس نظام کو توڑنے کی بات کرے یا کوئی عورت الگ گھر کا نام لے تو وہ خاندان کو توڑنے والی، اتفاق و وحدت کا جنازہ نکالنے والی تصور کی جاتی ہے۔ پورا کا پورا خاندان اس کا دشمن بن جاتا ہے۔

سب سے پہلا اور بڑا نقصان جو اس نظام نے کیا، وہ شرم وحیا کا اور شرعی پردے کا ہے۔ شرعی پردہ ہمارے معاشرے میں ایک اجنبی لفظ بن چکا ہے۔ کوئی شرعی پردے کی ذرا بات تو کر دے، لوگ اسے ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں، جیسے کوئی انہونی بات کر دی ہو اور اس کی ایک بڑی وجہ یہی مشترکہ خاندانی نظام ہے۔ یہ وہ قاتل زہر ہے جس کا شکار صرف دنیادار نہیں بلکہ اچھے خاصے دین دار، باعمل گھرانے بھی ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ پردہ ایک بہانہ ہے، ورنہ شرعی پردہ کرنا ہو تو مشترکہ خاندانی نظام میں بھی ہو سکتا ہے۔ سچ ہے کہ ہونے کو تو کیا نہیں ہو سکتا! مگر ذرا سوچیے کہ ساتھ رہتے ہوئے ایک عورت کے لیے پردہ کرنا کتنی بڑی آزمائش ہے؟ کتنا تماشا بنتا ہے اس عورت کا؟ ایک ہی گھر میں جہاں ہمہ وقت مردوں کی آمد و رفت ہو، وہاں ایک پردہ نشین عورت کیسے کام کر سکتی ہے؟

باقی تمام کاموں کو چھوڑ کر صرف ایک مثال لیں۔ گرمیوں کے شدید ترین موسم میں جب عام لوگ بدن پر کپڑا بلکہ باریک ترین کپڑا برداشت نہ کر سکیں اور ایسے میں وہ عورت بڑی چادر پہن کر نقاب کر کے چولھے پر بیٹھ کر روٹیاں بنائے اور آس پاس نامحرم کھانا کھانے کے لیے بیٹھے ہوں۔ کیا یہ اتنا آسان ہے؟

اور جہاں شرعی پردہ نہیں ہوتا، وہاں فتنوں کا جو طوفان اٹھتا ہے کیا یہ معاشرہ اس سے بے خبر ہے؟

جب عورت کی عزت گھر میں محفوظ نہیں رہی تو پھر عورت گھر سے باہر خود کو محفوظ سمجھنے لگی ہے۔ نتیجتاً کئی ایسی خواتین ہیں جو گھر کی چار دیواری کو الوداع کر کے چند ہزار کی نوکری کر لیتی ہیں، صرف اس لیے کہ گھر کے سارے افراد اپنے کاموں پر چلے جاتے ہیں اور دیور دن چڑھے سو کر اٹھے تو اسے ناشتا، کپڑے دینا بھابی کی ذمہ داری ہے اور گھر میں دو نامحرموں کے جمع ہونے کے خوف پر وہ دس نامحرموں میں خود کو محفوظ خیال کرتی ہے۔

اسی طرح اس نظام میں ساس بہو کے لڑائی جھگڑے، نند بھابی کے مسائل زبان زدِ عام ہیں۔

ایک ہی گھر میں اکٹھے رہنے کو بڑے فخر سے پیش تو کیا جاتا ہے، لیکن بس نفوس ساتھ رہ رہے ہوتے ہیں، دل ایک دوسرے سے میلوں دوری اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔ ایک چھت تلے رہنے والے ایک دوسرے کو دیکھنا تک پسند نہیں کرتے۔ ہر وقت ایک دوسرے کی خامیاں تلاش کرنے کی جستجو میں رہتے ہیں۔

جب ایک دوسرے سے محبت نہیں ہے، صرف مجبوراً برداشت کرتے ہوئے زبردستی اکٹھے رہا جا رہا ہے تو آپ ایک صحت مند، معاشرے کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

زبردستی کا کمپرومائز چھوٹے بڑے ہر عمر کے افراد میں ڈپریشن، ٹینشن، ہائی بلڈ پریشر اور عدم برداشت جیسی بیماریاں پھیلا رہا ہے۔ خوش اخلاقی اور نرم دلی، جو مومن کی پہچان تھی، کب کی رخصت ہو چکی ہے۔

ام افرائیم ۔ ڈی جی خان

نئی آنے والی دلھن کی خامیاں تلاش کرنا سب کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے۔ اگر وہ تیار شیار ہو کر نہیں رہتی اور شرم وحیا کی وجہ سے سادہ لباس اور چادر پہن کر رہے تو ساس و نندیں طعنے دینا شروع ہو جاتی ہیں۔ نئی دلہن اور اتنی سادگی؟ کیا خوش نہیں اپنے شوہر کے ساتھ؟ ارے دس لوگ آتے ہیں دن میں دلھن کو دیکھنے۔ اگر وہ تیار ہو کر بن سنور کر رہے، تمام غیر مردوں کے لیے نظارہ بن کر رہے تو سب گھر والے بھی خوش اور شوہر نامدار بھی خوش۔ غیرت وحمیت پڑی کنارے سو رہی ہوتی ہے۔ کیا حدیث میں استعمال ہونے والا لفظ 'دیوث' اس مرد کے لیے نہیں ہے؟ جو کہتا ہے کہ میرے بھائیوں سے کیا پردہ؟

اور آئے روز ہونے والی خودکشیوں میں اس مشترکہ خاندانی نظام کا بھی ہاتھ ہے۔ گھریلو حالات سے تنگ آ کر خودکشی!...... یہ گھریلو حالات مذکورہ بالا ہی ہوتے ہیں، ورنہ غربت کا تو صرف نام ہے۔ جو قوم شادی و موت پر لاکھوں روپے اڑا دے، وہاں غربت سے نہیں گھریلو ناچاقیوں پر خودکشیاں ہوتی ہیں۔

جب عورت کو گھر میں روٹی اور کپڑا اس شرط پر ملے گا کہ وہ پورے سسرال کی خدمت بجا لائے، سارا دن کولھو کے بیل کی طرح کام میں جتی رہے اور اس پر مستزاد سب کے طعنے اور طنز کے تیر الگ سہے تو اگر اس کا ایمان مضبوط نہ ہو تو پھر وہ ''میرا جسم میری مرضی'' جیسے کھوکھلے نعرے کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگتی ہے۔

ہر عورت کا خواب یہی ہوتا ہے کہ اس کا آنگن خوشیوں اور محبتوں سے بھرا ہو۔ جہاں وہ اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی اپنی مرضی کی زندگی گزارے۔ جہاں بات بات پر ٹوکنے اور ہر چیز پر پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہ ہو۔ جب اسے یہ سب چیزیں

گھر کی چھت تلے نہیں ملتیں تو پھر شیطان انھیں اپنی مرضی اور خوشی کو ڈھونڈنے کے لیے گھر سے باہر کی راہ دکھانے لگتا ہے۔

جہاں تین، چار نندیں ہوں، ان کے آئے روز آنے سے گھر کا ماحول انتہائی خراب ہوجاتا ہے۔ سب کی فرمائشی لسٹ بہونے پوری کرنی ہوتی ہے اور پھر ہر چیز میں کیڑے نکالے جاتے ہیں اور نندوئیوں کی بدنظری الگ......!

اگر وہ شوہر سے کچھ کہے تو جواب ملتا ہے کہ تمھیں میری بہنوں کا آنا برداشت نہیں ہوتا اور پھر برداشت کرتے کرتے جب وہ اپنے کمرے تک آتی ہے تو چھوٹے چھوٹے بچوں کی معمولی سی غلطیوں پر برداشت کا پورا گراف نیچے آجاتا ہے اور سب کا غصہ دو تین سال کا ننھا وجود کو بھگتنا پڑتا ہے۔ پھر وہ اس بچے کو دھنک کر رکھ دیتی ہے جو پیار اور توجہ کے انتظار میں بیٹھا ہوتا ہے۔

ایک تھکی ہاری عورت ایک نئی نسل کو کس طرح پروان چڑھا سکتی ہے۔ وہ نئی نسل کی کیا تربیت کرے گی۔ نتیجتاً بچے بھی اسی ماحول میں رنگ جاتے ہیں۔ غصہ، نافرمانی، چیخنا، چلانا، ایک دوسرے سے ہاتھا پائی یہ تمام چیزیں ہماری نئی نسل میں منتقل ہوجاتی ہیں۔ ہم کہاں جارہے ہیں؟ ہمارا معاشرہ کون سی ڈگر پر چل پڑا ہے؟

کاش......اے کاش! یہ مائیں جو ہمیشہ بیٹی کو صبر وتحمل اور خاموش رہنے کا درس دیتی آئیں، کاش! یہ بیٹوں کو غیرت وحمیت کا درس بھی دیتیں۔ بیٹیوں کے ساتھ ساتھ بیٹوں کی بھی تربیت کرتیں تو حالات اس طرح کی خوف ناک صورتِ حال نہ اختیار کرچکے ہوتے۔

دوم:

وہ دوسرا ناسور جس نے معاشرے کو بے راہ روی اور ہزار ہا زندگیوں کو جہنم بنایا ہے وہ ہے پردیس جا کر کمانا۔ یہ وہ زہر ہے جس نے کائنات کے مقدس ترین رشتے کو پامال اور تباہ کردیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں، ایک خراب ہوجائے تو زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی، تو کیا اتنی دوری اختیار کرنے کے بعد زندگی کی گاڑی چل سکتی ہے؟

بہت کم مرد اپنی خوشی اور شوق سے جاتے ہیں۔ بہت ہی کم عورتیں اپنے شوہروں کو خوشی سے بھیجتی ہیں۔ دو، دو تین تین سال الگ رہنا تو ایک معمول ہے، جبکہ اکثر تو سات سال، دس سال تک بھی گھر واپس نہیں آتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب چار ماہ تک کی پابندی لگائی تھی تو یہ سب آج ہمارے بڑوں کو نظر کیوں نہیں آرہا کہ اس سے معاشرے میں کتنی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں؟ ایسے مرد جو برسوں باہر رہتے ہیں یا ایسی عورتیں جن کے شوہر شادی کے چند ماہ بعد چلے جاتے ہیں اور پھر کئی کئی سال تک واپسی کا نام نہیں لیتے تو ایسی صورت میں کتنی عورتیں پاک دامن رہتی ہیں یا پھر کتنے مرد؟

اکثریت ان کی ہے جو وقتی ضرورت کے لیے چور راستے تلاش کرتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے اس عورت کے بارے میں جس کا شوہر برسوں باہر رہے اور وہ اپنے ہر دکھ سکھ، ہر چھوٹی بڑی ضرورت، ہر دوا دارو کے لیے اپنے دیور سے رجوع کرے۔ ایک انسان چاہے مرد ہو یا عورت ایک ٹیلی فونک رشتے کی بنا پر ساری عمر آخر کیسے گزار سکتا ہے؟ اگر آپ سمجھتے ہیں ہاں تو پھر آپ بہت بڑی بھول میں ہیں۔

اور جو عورتیں حقیقتاً پاک دامن رہتی ہیں، وہ کتنے مسائل، کتنی آزمائشوں اور کتنی پریشانیوں میں مبتلا رہتی ہیں؟ گھر کی ساری ذمے داری، بچوں کی ذمے داری، بچوں کی تعلیم وتربیت، ان کی ضروریاتِ زندگی کیا یہ ساری چیزیں ایک اکیلی عورت نباہ سکتی ہے؟ عورت نازک آبگینہ ہے، مرد اتنی بڑی ذمے داریاں نازک عورت پر ڈال کر میلوں دور بیٹھ کر نوٹوں کی چند گڈیاں بھیج کر کیا سمجھتا ہے کہ وہاں پردیس میں رل رل کر اپنی بیوی بچوں پر احسان کررہا ہے۔

مانا کہ پیسہ بہت کچھ ہوتا ہے لیکن سب کچھ نہیں ہوتا۔ عورت کے لیے مرد کا ساتھ سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ کبھی اس عورت کا حال غور سے دیکھیں جس کا شوہر بیرون ملک ہوتا ہے صرف چند ہی برسوں میں وہ بوڑھی ہوجاتی ہے۔ خالی اور کھوکھلا وجود لیے پھرتی ہے اور پھر ظاہر ہے شوہر کی اس بوڑھی بیوی سے دلچسپی ختم ہوجاتی ہے اور وہ اپنی دلچسپی کی نئی راہیں تلاش کرلیتا ہے۔

یہ دونوں موضوع ایسے ہیں کہ ان پر جتنا لکھا جائے کم ہے۔ جتنی خامیاں خرابیاں لکھنے بیٹھیں، اتنی مزید نکل آتی ہیں۔

میری تمام اہلِ قلم اور اہلِ علم لوگوں سے درخواست ہے کہ زندگیوں کو سنوارنے اور گھروں کو جنت بنانے کے لیے ان دونوں موضوعات کو دنیا کے سامنے اجاگر کریں۔ جب زندگیوں کو سہل بنایا جاسکتا ہے تو کیوں ہم ایک ان دیکھی آگ میں جل رہے ہیں۔ کیوں اپنی دنیا وآخرت برباد کررہے ہیں۔

☆☆☆

احسان

قرأت گلستان

وردت امی کے گھر آئی تو اُس کا منہ اترا ہوا، دل اداس اور سوچیں مضطرب تھیں، لیکن واپس گھر جاتے ہوئے وہ کافی مطمئن اور پرامید تھی۔ امی نے حوصلہ ہی یوں بڑھایا تھا کہ اس کا دل بھی بڑا ہو گیا تھا۔

اب بس اسے اپنے میاں واصف سے بات کرنی تھی۔ اسے یقین تھا کہ انھیں بھی اعتراض نہیں ہوگا، بلکہ خوش ہی ہوں گے۔

☆......☆

وردت چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ کفایت شعاری سے چلتے ہوئے تھوڑی بہت بچت ہر ماہ کر ہی لیا کرتی تھی۔ گزشتہ تین سالوں میں دونوں میاں بیوی نے کافی رقم جوڑ لی تھی۔ ارادہ تو یہی تھا کہ دونوں میاں بیوی امی (ساس) کو لے کر عمرہ کر آئیں گے، لیکن اس سال اچانک ہی امی نے بڑے بیٹے سے حج کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ شاید اُن کی حاضری تھی جو بیٹے نے فوراً ہی والدہ اور چھوٹے بھائی واصف کو حج کی رقم بھیج دی تھی۔ واصف کے تو وہم و گمان میں نہیں تھا کہ عمرے کے لیے رقم جمع کرنے والے کو یوں حج کی حاضری نصیب ہو جائے گی۔

دوسرے ہی دن ماں بیٹا جا کر پاسپورٹ بنا آئے تھے۔ وردت واصف اور امی کے حج پر جانے سے خوش تو بہت تھی لیکن اپنے نہ جانے کا دکھ بھی کچھ کم نہ تھا۔ کیونکہ حج کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ اس کی جمع شدہ رقم بمشکل نصف رقم ہو رہی تھی۔

وہ دل مسوس کر رہ گئی تھی۔

☆......☆

"بیٹا! واصف حج کر کے آئے گا پھر تمھیں کب لے جائے گا؟ ظاہری بات ہے دو تین سال تک تو پھر جانے کا نام بھی نہیں لے گا۔ بھائی تمھارا کوئی ہے نہیں، والد کے انتقال کو زمانے ہو گئے، بیٹے تینوں چھوٹے ہیں، لے دے کر ایک واصف ہی محرم ہے۔ میں تو کہتی ہوں تم بھی نکلنے کی کرو، کتنی رقم کم ہے؟"

وردت کی امی نے پوچھا تو وہ حساب کتاب کرنے لگی۔

"ڈھائی لاکھ۔"

"پچاس ہزار تو میں دے دوں گی تمھیں، باقی کچھ ادھار پکڑ لو۔"

"امی! ادھار رقم لے کر حج ہو جائے گا؟"

وردت سوچ میں پڑ گئی۔

"کیوں نہیں ہوگا۔ دینے کی نیت ہو تو کیا مسئلہ ہے؟ ویسے بھی اتنی بڑی رقم ہم جیسے متوسط طبقے کے لوگوں کے پاس فوری طور پر ہو بھی نہیں سکتی۔ ہر سال تو حج کا ٹکٹ بڑھ جاتا ہے، جتنی رقم جمع کرو کم ہی ہوتی ہے، اب پھر کیا مسلمان کعبۃ اللہ اور روضۂ رسول دیکھنے کی خواہش بھی نہ کرے۔" امی نے خفگی سے کہا۔

"کیا کروں امی! دل تو بہت چاہتا ہے میرا، خیر میں واصف سے بات کرتی ہوں۔"

اور وردت نے جب واصف سے بات کی تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئے۔

"امی کا کہنا بالکل ٹھیک ہے وردت! میں جا کر آ گیا تو پھر دوبارہ واقعی کچھ وقت تک نہیں نکل سکوں گا۔ ویسے دو ماہ بعد ہماری کمیٹی بھی تو آئے گی، کچھ رقم تو جانے سے پہلے ہی چکا دیں گے اور امی اور مجھے بھی تو تمھارے ساتھ سے سفر میں بہت سہولت ہوگی۔"

واصف کی باتوں سے اُس کا دل باغ باغ ہو گیا۔

"لیکن اتنی رقم دے گا کون؟"

وردت نے فکرمندی سے پوچھا۔

"تم اگر اپنے ماموں سے سوال کرو تو......!"

واصف کو رشتے داروں میں مالی طور پر مستحکم وردت کے ماموں ہی نظر آئے تھے۔ وردت نے اپنی امی سے مشورہ کر کے ماموں کے گھر کا رخ کیا۔

☆......☆

"دو لاکھ؟"

ماموں کے انداز پر وردت شرمندہ ہو گئی۔

"یہ ادھار لے کر حج پر جانے کی تُک سمجھ میں نہیں آئی۔" ممانی کی پرسوچ نگاہیں وردت کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"اتنا بڑا فیصلہ تو وہ بندہ کرے، جس کے پاس رقم ہو۔" ماموں نے بھی پہلو بدلا تھا۔

"سچی بات کہوں تو مل اور فیکٹریاں تو ہماری بھی نہیں چل رہیں۔ یہی بچوں کی آمدنی سے پائی پائی جوڑتے ہیں اور تمھارے ماموں بھلا کون سا کمانے جاتے ہیں۔ اتنی بڑی رقم کا سوال کرنے سے پہلے تمھیں سوچنا چاہیے تھا۔" ممانی نے لگی لپٹی بغیر ایسے فارغ کیا تھا کہ وردت کے لیے آنسو ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

من من بھر کے قدم لیے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میری مانو چپ کر کے بیٹھ جاؤ، میاں کو جانے دو۔ حکم ہوگا تو تم بھی چلی جاؤ گی اس سال نہیں تو دس بارہ سال بعد۔" ماموں کے مشورے سے اس کا دل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا۔

آتے وقت امید کے کئی موتی اکٹھے کر کے لائی تھی، واپسی کا سارا سفر آنسو بہاتے ہوئے گزرا تھا۔

"کام اچھا نہیں کرنا تھا نہ سہی، کلام تو اچھا کر لیتے۔" وردت نے دل گرفتگی سے سوچا۔

☆......☆

"تمھارے ماموں دنیا کے کوئی آخری انسان تو تھے نہیں، وہ نہیں تو کوئی اور سہی!"

واصف نے کہا تو اس نے سختی سے منع کر دیا۔

"نہیں اب کسی اور سے سوال نہیں کرنا، سوال میں ذلت ہے۔" وردت نے کہا۔

"میں اسلم بھائی کو میسج کر چکا ہوں، ملاقات طے ہو چکی ہے۔" واصف نے اپنے بڑے کزن کا نام لیا۔

"واصف کوئی اہم ضرورت ہو تو بندہ سوال بھی کرے، حج پر جانے کے لیے سوال کرنا مناسب نہیں۔"

وردت نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

"اب میسج کر دیا ہے تو بات کر کے دیکھ لیتے ہیں، امید نہ بات بنی تو صبر کر لیں گے۔"

☆......☆

"بیٹا! میں نے ایک جگہ گھر بک کروایا ہے، ہر ماہ وہاں کی قسط ادا کرنا ہوتی ہے۔ میرے پاس ہوتے تو تمھیں کبھی منع نہ کرتا۔"

اسلم بھائی واصف کی بات سن کر افسردگی سے کہا۔
''بھائی جان! لاکھ نہیں تو پچاس اگر کر سکیں تو۔''
واصف کو اچانک ہی خیال آیا تھا کہ اگر پچاس دے دیں تو باقی وہ وردت کا تھوڑا بہت زیور بیچ دیں گے۔
''پانچ ہزار بھی کرنا مشکل ہے بیٹا۔''
اسلم بھائی کے جواب سے وہ سوچ میں پڑ گیا۔
''میری دعا ہے اللہ تمھارے ساتھ آسانی کرے۔ ہوتے تو منع نہیں کرتا، تمھارے لیے ہمیشہ تمھارا بھائی حاضر ہے، ہمارے ہاتھ کے تو بچے ہو تم۔''
اسلم بھائی نے چائے کا کپ اٹھالیا۔ واصف مسکرا کر رہ گیا۔

☆......☆

وردت کے پاس اتنا زیور نہیں تھا کہ وہ بیچ کر مسئلہ حل ہو جاتا، ادھار مانگ کر تو شرمندہ ہی ہوئے تھے۔ ساری امیدیں ختم ہو گئیں تو وہ خاموش ہو بیٹھی۔
بینکوں میں حج فارم آنے کی دیر تھی تو واصف جا کر اپنا اور امی کا بھر آئے۔

☆......☆

''کیسی ہو؟''
''بچے کیسے ہیں؟''
''واصف بھائی اور آنٹی کیسی ہیں؟''
وردت کو اس کی سہیلی فرح کے آج کافی ماہ بعد واٹس ایپ پر ڈھیر سارے پیغامات آئے تھے۔
''زندہ ہو؟'' وردت نے مسکرا کر لکھا۔
''ہاں'' فرح نے ہنسنے والا کارٹون بھیجا تھا۔
سلام دعا حال احوال کے بعد وردت نے اسے بتایا کہ واصف اور امی حج پر جا رہے ہیں۔
''تم کیوں نہیں؟''
''پیسے کم ہیں۔''
''کتنے کم ہیں؟''
''کیوں تم دو گی کیا؟ آئی بڑی کتنے کم ہیں۔''
وردت نے اسے چھیڑا۔
''تمھارے لیے جان حاضر ہے بہن! پیسے کیا چیز ہیں۔'' فرح کا جواب آیا تھا۔
وردت نے بار بار پڑھا اور کچھ سوچ کر لکھ دیا۔
''دو لاکھ۔''
''میں شام کو آتی ہوں، لے کر۔''
فرح کے جوابی پیغام نے وردت کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پڑھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆......☆

فرح اس کی بہت پرانی سہیلی تھی۔ واصف، امی سبھی اسے جانتے تھے۔ اپنے مسائل میں الجھتی تو کئی کئی ماہ کوئی رابطہ نہ ہوتا۔ کبھی رابطہ کرتی تو لمبی لمبی کہانیاں سناتی۔
شام کو خاکی لفافہ لے کر وہ گھر آ گئی تھی۔
وردت نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے کر امی کو تھما دیا۔
''ارے بیٹا! یہ تو ساڑھے تین لاکھ ہیں۔''
انھوں نے گن کر کہا۔
''جی! وہاں بھی آپ کو ضرورت پڑ سکتی ہے، رقم زیادہ ہوئی تو کام آئے گی۔'' اس نے کہا۔
''کتنے وقت میں پیسے واپس کرنے ہیں بیٹا؟''
''وردت بیس سال بھی نہ دے تو میں سوال نہیں کروں گی۔''
اس نے محبت سے وردت کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
''فرح! مجھے بس دو لاکھ چاہیے۔ اسی ہزار تو میں ایک ماہ بعد کمیٹی آئے گی تو واپس کروں گی، باقی کے ایک لاکھ بیس ہزار دس ماہ بعد۔''
وردت نے کاغذ قلم لے کر لکھنے کا ارادہ کیا۔
''ارے پاگل! لکھنے کو بھلا کیا ضرورت، شرمندہ نہ کر مجھے۔'' فرح نے خفگی سے کہا۔
''یہ حکم ربی ہے کہ جو بھی لین دین ہو لکھ لیا کرو، میں تو ضرور لکھوں گی۔''

☆......☆

وردت کی حاضری تھی۔ وہ واصف اور امی کے ساتھ مکہ مدینہ پہنچ گئی تھی۔ عنقریب اللہ عرفات تک پہنچانے والا تھا۔ وہ جب جب جہاں جہاں دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی، اللہ کے بعد امی اور فرح کا دل سے شکریہ ادا کرتی۔ اُن دونوں کے لیے اللہ سے رو رو کر دعائیں مانگتی۔
وردت تو وردت اُس کا شوہر اور ساس بھی فرح کو ہر پل دعا دیتے۔ کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں فرح کے لیے دل سے دعا نہ نکلی ہو۔
یوں تو قرابت کا حق ادا کرتے ہوئے ماموں ممانی، اسلم بھائی سبھی کے لیے انھوں نے دعا کی تھی لیکن فرح جیسی دعائیں کسی کے حصے میں نہیں آئی تھیں۔

☆......☆

بہت ہی بہترین اور خوب صورت سفر تھا جو وہ کر آئے تھے۔ اُن کی حج کی روداد سن کر کئی لوگوں نے حج کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ان میں وردت کے ماموں ممانی بھی تھے۔
اگلے سال انھوں نے اپنے بیٹے کے ساتھ حج درخواست دی۔ سوئے نصیب قرعہ اندازی میں نام نکل بھی گیا۔ انھوں نے خوب مبارک بادیں وصول کیں، لیکن اچانک کورونا وبا پھیل گئی اور اس سال پوری دنیا سے کوئی بھی حج کو نہ جا سکا۔
اُس سے اگلے سال بھی دوسرے ممالک سے حجاج کو نہیں بلایا گیا۔ یوں تین سال سے دونوں حج حج کی رَٹ لگائے ہوئے تھے، مگر حج کو نہیں جا سکے تھے۔

☆......☆

۲۰۲۲ء میں پاکستان سے حجاج کرام روانہ ہو رہے تھے۔
ماموں اور ممانی آنسو بہا رہے تھے۔
''۶۵ سال کی عمر والوں پر پابندی لگا کر بڑا ظلم کیا ہے اِن لوگوں نے۔''
ممانی ہر ملنے جلنے والے سے کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتیں۔ آج کسی محفل میں وردت سے بھی کہہ ڈالا:
''تم اچھی رہیں، قرض لے کر حج کر آئیں۔''
''بڑا کرم ہے مالک کا ممانی جان! بہت ہی سہولیات والا بہترین پیکیج، جوانی کا شوہر کے ساتھ حج، اللہ کا بڑا احسان ہے، اور الحمدللہ! قرض تو زمانہ ہوا اتر گیا اور جس نے دیا تھا ناں وہ سارے کنبے کے ساتھ عمرہ کر آئے۔ وہ کہتے ہیں تمھاری دعاؤں سے ہمارے تو بچے بچے کو عمرہ نصیب ہو گیا۔ روضے کی حاضری نصیب ہو گئی۔ واقعی ہم نے انھیں ہر مقام پر بہت دعائیں دی تھیں۔''
وردت نے ممانی جان کو جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
ممانی جان منہ پھلائے اس کی پشت کو گھورتی رہ گئیں۔

☆☆☆

انٹرویو باجی عامرہ احسان مدظلہا

آخری قسط

حقیقی عثمان اور ارطغرل خونِ جگر دے کر قرآن وسنت پر پالے جاتے ہیں اور اسلام کی آبیاری کے لیے قربان کیے جاتے ہیں۔ افغان ماؤں نے روکھی سوکھی روٹی کھلا کر جگر گوشے پالے، جنھوں نے تین سپر طاقتوں کو تین ادوار میں دھول چٹائی! آج کے ٹی ٹوئنٹی، عالمی کپ کے چوکے چھکے، شراب، عورت اور جوئے میں لت پت نوجوان اور فلمی ڈرامائی جہاد! چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!

(زاہدہ عروج تاج۔ بہاولپور)

سوال: نئی نئی شادی شدہ لڑکیوں کو تو سب نصیحتیں کرتے ہیں، جن کی شادیاں پندرہ سے بیس سال پرانی ہوگئی ہیں، انھیں آپ اپنی طویل ازدواجی زندگی کے تجربے سے کیا نصیحت کرنا چاہیں گی؟

جواب: پندرہ بیس سال گزار کر اب وقت اتنا ہوگا آپ کے پاس کہ آپ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنا احتساب کرسکیں۔ کیونکہ زندگی کے امتحان سے گزر کر اپنا حساب دینا ہے اللہ کو اور اس کے مطابق ٹھکانا ملے گا، سو اپنا احتساب ضروری ہے۔ دوسروں سے شکوے لاحاصل ہیں کیونکہ اُن کا حساب ہمارے ذمے نہیں ہے۔ محبت فاتحِ عالم، ہر رشتے کو سچائی کے ساتھ محبت پر استوار رکھنا۔ تلخیاں نگل جانا۔ صبر کا گھونٹ کڑوا ہوتا ہے مگر بعد ازاں میٹھے پھل سے خوشگواریاں پھیل جاتی ہیں۔ شوہر کا رشتہ مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ اس گئے گزرے دور میں بھی پاکستانی، مسلمان شوہر کے احسانات بے پناہ ہوتے ہیں۔ ایک رہتا بستا گھر عورت اور بچوں کو فراہم کرنے میں وہ کتنی بے پناہ مشقت اٹھاتا اور ادھ موا ہوتا ہے ہم توجہ نہیں کرتے۔ قدردانی (باہم) سے گھر جنت بنتے ہیں۔ لئن شکرتم لازیدنکم...... شکر گزاری صرف اللہ کے ساتھ نہیں، ہر رشتے میں ضروری ہے! عورت/لڑکی، شوہر/باپ کی قدر اور خدمت کرے!

سوال: ایک ماں کو بنیادی طور پر بچوں کی تربیت میں سب سے زیادہ توجہ کن پہلوؤں پر دینی چاہیے؟

جواب: بہت چھوٹی عمر سے بچی کو مومنہ مسلمہ اور بیٹے کو مومنِ صالح بنانے کی فکر۔ یہ دور بچوں کو پروں کے نیچے چھپا کر پالنے کا ہے۔ ماحول آلودگی کی انتہا پر ہے۔ الا له الخلق والامر رہنما حکم ہے۔ خبردار! مخلوق اللہ کی ہے اور حکم اسی کا ہوگا۔ ہر ماں بچوں کی آیا (پالنے والی) ہوتی ہے مالکہ نہیں! مالک اللہ ہے، اس کی پسند کے بچے پالنے ہیں۔ ہمیں تو یہ آخرت میں مالکانہ حقوق کے ساتھ ملیں گے۔ اگر ہم نے حق ادا کردیا۔ من صلح من آبائهم وازواجهم وذریتهم! فرشتوں کی دعائیں ساتھ رہی تو۔ دنیا سے مت پوچھیں اللہ سے پوچھیں۔ قرآن تربیتِ اولاد ہی کا مینوئل ہے! مثالیں بھی موجود ہیں۔ حضرت اسماعیل، حضرت یوسف، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تو پنگھوڑے کے کلام ہی میں اپنی تربیت اور شخصیت کی اٹھان کے اصول بتا دیے تھے! (سورۂ مریم) میری والدہ کہا کرتی تھیں، بچے کو جیسا دیکھنا چاہتی ہو، خود ویسی بن جاؤ!

سوال: باجی جان! باوجود کوشش کے ہماری اپنے بچوں کی تربیت کے معاملے میں بہت کوتاہیاں ہوجاتی ہیں، اِن کوتاہیوں کی تلافی کا کیا کوئی طریقہ ہے؟

جواب: کوتاہیوں کا ازالہ نصاب ہی سے ہوگا۔ سب سے بڑی کوتاہی تو ماں کا اپنے نصاب پر عبور نہ ہونا اور اولاد کو اس سے نہ جوڑنا ہی ہوتا ہے۔ نصابِ زندگی قرآن وسنت ہے۔ گھر والوں، کم از کم بچوں کے ساتھ بیٹھ کر قرآن پاک کے عملی اسباق، اللہ کی کبریائی، آخرت کی جوابدہی۔ اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ی اطاعت واتباعِ صحابہؓ، خیر البریۃ (بہترین خلائق) اور اللہ کی رضا پالنے والے گروہ کی محبت۔ اکابر صحابہؓ کا طرزِ زندگی۔ اسلامی تاریخ کی بڑی شخصیات اسے نصاب بنا کر محبت سے بچوں کے دل میں اتاریے۔ تلافی ہوجائے گی ان شاء اللہ! صلوٰۃ الحاجت مزید ہے جس کے بغیر بچے پالے نہیں جاسکتے۔

(فرزانہ ریحان۔ کوئٹہ)

سوال: کیا کبھی ایسا ہوا کہ کوئی تحریر لکھ کر بھی آپ کو ایسا لگا ہو کہ کچھ نہیں لکھا اور تشنگی سی تشنگی ہو؟

جواب: لکھتی اسی وقت ہوں جب قلم لبالب بھر جائے۔ ورنہ زبردستی لکھنا غیر ضروری سمجھتی ہوں۔ تحریر برائے تحریر الحمدللہ! کبھی نہیں لکھی۔ کیونکہ لکھاریوں کی کمی تو نہیں!

سوال: آپ اپنی تحاریر پر کتنی دفعہ نظرِ ثانی کرتی ہیں؟

جواب: اچھی عادت نہیں ہے۔ تاہم ایک ہی دفعہ ایک ہی سانس میں لکھتی ہوں۔ نظرِ ثانی کے لیے 'وائٹو' (Whito) بہت اچھی ایجاد ہے۔ پھر اسٹار لگا لگا کر اضافے کر کر کے کمپوزر بھائیوں کا کام بڑھاتی ہوں۔

سوال: کیا آپ کبھی اپنی تحاریر پر کسی کی ماہرانہ رائے لیتی ہیں؟

جواب: 'کالم' سنسر بورڈ کے طور پر شوہرِ عزیز (ان کے نام کا بھی حصہ ہے عزیز!) کو دیتی ہوں، تاکہ کڑوے کسیلے جملوں کو قلم زد کردیں۔ پھر بھی بہت کچھ رہ تو جاتا ہے! کہانیاں وغیرہ میں ان کی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، سو ماہرانہ رائے فوری میسر نہ ہونے کی بنا

پرکچی پکی، مدیروں کے حوالے کردیتی ہوں۔

(اہلیہ بشارت احمد۔ لاہور)

سوال: کبھی آپ کی بچپن میں امی ابوجان سے پٹائی ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو زیادہ تر کس بات پر؟

جواب: ابوجان سے تو کبھی نہیں۔ البتہ امی جان شیر کی نگاہ سے دیکھنے والی تھیں اور میں شرارتیں کرتی تھی۔

سوال: آپ کے ابوجان مرحوم کی بابت خواتین کا اسلام کے سائبان نمبر میں پڑھا تھا۔ ان کی کوئی ایک ایسی بات یا عادت جو آپ میں آئی اور آپ کو اس پر فخر ہے۔

جواب: والد صاحب کی مطالعے کی عادت بحمد اللہ لی ہے۔ کتاب سے محبت۔ اس پر فخر تو کرنا ممکن نہیں، اللہ حساب آسان کردے۔ (آمین)

سوال: ارطغرل ڈرامے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ اس حوالے سے مدیر بھائی کا موقف ہمیں بہت سخت لگا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے نقصانات عام ڈراموں سے زیادہ ہیں، جبکہ اس ڈرامے سے تو جہادی روح بیدار ہونے کا زبردست امکان ہے، تبھی تو مغرب میں اس کے خلاف بہت پراپیگنڈا ہوا۔

جواب: ڈراما کسے کہتے ہیں، کیسے بنتا ہے؟ یہ بنیادی سوال ہے۔ اگر ڈرامے کے اجزا حلال اور درست بے ضرر ہیں تو ڈراما ٹھیک ہوگا، وگرنہ حرمت ہوگی۔ آپ جانتی ہیں کہ ہمارے ہاتھ شریعت سے بندھے ہوئے ہیں۔ ہم آزاد نہیں من مانی کرنے کو، اللہ کے غلام ہیں اور کلمہ پڑھ کر برضا و رغبت غلامی کا قلادہ گلے میں ڈالا ہے۔ ڈراما (تکنیکی تفاصیل چھوڑ کر) مردوں اور عورتوں کی اداکاری سے بنتا ہے۔ ترک اداکار/ اداکارائیں (ان کے مفصل احوال نیٹ سے نہ پڑھیے گا، حد شکن ایمان سوز ہیں) ہمارے ہاں کے شوبز طبقے جیسے یا ان سے بھی بہت زیادہ آزاد منش ہیں۔ کم ترین لباس، شراب نوشی، رقص و سرود ان کی ذاتی زندگی کا حصہ ہیں۔ فلم، ڈراما ایک صنعت ہے، جس کا منبع، مصدر، نمونہ، استاد امریکا کا ہالی ووڈ ہے۔ میک اپ خصوصی کیا جاتا ہے جو جزوِ لاینفک ہے۔ میک اپ میں مرد و زن کی تخصیص نہیں۔ عورت/ مرد میک اپ کرنے والے ہوسکتے ہیں اور یہ وہ صنعت ہے جو قرآن کی تین سورتوں کے احکام اور اَن گنت احادیث توڑتی ہوئی اپنی ڈگر پر عمل پیرا رہتی ہے۔ سورۂ لقمان دیکھیے۔ لہو الحدیث، نضر بن حارث مکہ میں کفار کا وزیرِ ثقافت تھا، اس کا کردار و عمل اللہ کے راستے سے روکنے کا پڑھ لیں۔ ثقافت کے ذریعے نوجوانوں کو بہلانا بہکانا شیطان کا ازلی ہتھیار ہے۔ پردے کے احکام اور اختلاط سے روکا جانا، محرم نامحرم کا واضح تعین، اشاعتِ فحش پر اللہ کا غضب، سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب میں مفصل، ہمہ پہلو ہے۔ تفاسیر میں آپ حدود اللہ کو پڑھ جان سکتی ہیں۔ جن پر فلاتقربوھا، فلاتعتدوھا کی تنبیہ قرآن سختی سے کرتا ہے۔ اُن کے قریب بھی نہ جاؤ، انھیں ہرگز نہ پھلانگو۔ (خطرہ 22 ہزار وولٹ!) ایمان بھک سے اڑ جائے گا۔ سمجھ لیجیے جہاد ارکانِ دین میں سے ہے، ڈراما نہیں ہے۔ جہاد ڈراما نہیں ہے اور ڈراما جہاد نہیں ہوسکتا۔ فاسق افراد مجاہدین کا سوانگ بھر کر لکڑی کی تلوار لیے لال رنگ کو شہادت کے خون کا قائم مقام بنا کر آنکھوں میں دھول جھونکیں؟ ترکی ڈرامے میں اداکارہ ماں کا روپ بھر کر نوجوان اجنبی لڑکوں کو بیٹا قرار دے کر ان کے ماتھے چومتی ہے! غیر مرد کو شوہر قرار دے کر اس کے ساتھ بستر افروز ہوتی ہے، حتیٰ کہ زچگی کا مرحلہ بھی موجود ہے! پناہ بخدا! اسلامی ڈراما! اس سے ایک قرآن سے نابلد فرد تو دھوکا کھا سکتا ہے، مسلمان تو حیا، غیرت، خشیتِ الٰہی سے تھرا اٹھے گا، لرز جائے گا۔ جہادی روح بیدار ہونا چہ معنی دارد؟ حقیقی عثمان اور ارطغرل خونِ جگر دے کر قرآن وسنت پر پالے جاتے ہیں اور اسلام کی آبیاری کے لیے قربان کیے جاتے ہیں۔ افغان ماؤں نے روکھی سوکھی روٹی کھا کھلا کر جگر گوشے پالے جنھوں نے تین سپر طاقتوں کو تین ادوار میں دھول چٹائی! آج کے ٹی ٹوئنٹی، عالمی کپ کے چوکے چھکے، شراب، عورت اور جوئے میں لت پت نوجوان اور فلمی ڈرامائی جہاد! چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک! ڈرامے کے سبھی اجزائے ترکیبی حرام ہیں۔ قسط در قسط مرد و زن مل جل کر کیمروں کی چکا چوند (کیمرا مین مرد فوکس کر کے عورت کو ہر پہلو سے پیش کرتے ہیں!) میں ڈراما تیار کر کے پیش فرماتے ہیں تو مومنین کرچی کرچی ایمان والے مناظر پر رمضان اور بالخصوص آخری عشرے قربان کرتے ہیں! جبرئیل امین فرشتوں کے جلو میں کیونکر آئیں جب سبھی اہلِ ایمان مجاہد بنے ڈرامے کا مجاہدہ، مشاہدہ فرمارہے ہوں (تلخ نوائی میری گوارا کر......) مدیر بھائی کا مؤقف سخت نہیں عین شریعت کے مطابق، ایمانی موقف ہے الحمدللہ! رہی اصلاح، تو جیسے گٹر کے پانی سے دھلائی صفائی نہیں ہوسکتی، ڈراما بھی اصلاح نہیں فساد ہے! سرتاسر فساد۔

(شبانہ رضی الدین۔ راولپنڈی)

سوال: آپ کی اب تک کتنی کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور قارئین منگوانا چاہیں تو کیا طریقہ کار ہے؟

جواب: آٹھ کتب، سات کتابچے۔ منگوانے کے لیے اِس ای۔ میل پر لکھ بھیجیے، (quranic.guidance@gmail.com) دکانوں پر دستیاب نہ ہوگی۔

سوال: آپ کے پسندیدہ مصنفین کون کون سے ہیں؟

جواب: فہرست طویل ہے!

سوال: آپ کی پسندیدہ دینی شخصیات کون سی رہی ہیں؟ اسلاف میں بھی بتایئے اور دورحاضر میں بھی؟

جواب: اختلافی امور اور پسند و ناپسند میں برصغیر میں پائی جانے والی شدتوں کے پیشِ نظر عقیدت کا مرکز و محور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کو بنایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے مطابق یہ وہ پاکیزہ گروہ ہے جو اللہ کی رضا کا پروانہ پاچکا۔ پوری امت کی عقیدت کا مرکز اور غیر متنازع ہے۔ میرے چاروں بچوں کے نام اسی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے نام پر ہیں۔ مسلم تاریخ کے فاتحین، مجاہدین، ائمہ کرام، علمائے حق سے استفادہ آج کے دور کی رعایت سے ہوتا ہے۔ اللہ اِس عظیم گروہ کی خدمات کو قبول فرمائے اور ہمیں کشادہ ظرف اور بالغ نظر بنادے، آمین!

☆☆☆

الف نمبر پر تاثرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

❁ اَلف نمبر بہت انتظار کے بعد ۱۸ جولائی کو ہاتھوں میں آیا۔ اس کے خوب صورت سرورق سے آنکھوں کو سیراب کر کے باغ کی سیر کو نکلے اور مختلف میوے چکھے۔ ہر ایک کا الگ الگ ذائقہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل تو ہے، لیکن مختصری کوشش پیشِ خدمت ہے۔ قرآن وحدیث اور امہات المؤمنین کے اخلاقِ حسنہ کے بعد، باجی جان عامرہ احسان کا انٹرویو، اور باجی جان ریحانہ تبسم کی تحریر کسی تعریف کی محتاج نہ تھی۔ اعلیٰ اور نصیحت سے بھرپور ماشاء اللہ! ہر بہن اپنی اپنی استعداد اور طلب کے بقدر ان سے مستفید ہوسکتا ہے۔ بہرحال شمارے کی میرے نزدیک سب سے اچھی تحریر، جو دل کو لگی اور الفاظ اس کی چاشنی کو بیان کرنے سے قاصر ہیں، وہ ہے 'اجنبی'! نام تو اس کا اجنبی تھا، لیکن اس نے جیسے اپنے آپ سے آشنا کر دیا۔ تین بار تو بھیگی آنکھوں سے میں اسے پڑھ چکی ہوں، تاثیر ہے کہ مگر کم ہی نہیں ہو رہی۔ بلاشبہ یہ کہانی رسالے کی جان تھی۔ اس نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد رکھی تو 'میرے ہونٹوں سے خوشبو نہیں جاتی' نے اس محبت کو عشق کی راہ پر گامزن کر دیا۔ دوسرے نمبر پر 'خانہ دل آباد رہے' رہی۔ اس دور کی اہم ترین ضرورت۔ اندازِ بیاں بہترین اور منظر نگاری کمال کی تھی۔ 'غیاب الجب' اور 'تم نے جھیل دیکھی ہے' یہ دونوں کہانیاں بھی اسی موضوع سے متعلق اور بہترین رہیں۔ 'وہ خط جو ان کے ہاتھ سے' دلچسپ، ایمان افروز سچی روداد تھی۔ 'حسن لازوال' منفرد کاوش تھی اور بہت سوں کے اشکالات کا جواب بھی۔ مزاحیہ کہانیوں میں سب سے بڑھ کر ساجدہ آپی کی 'ٹکڑوں کوں' تھی۔ اُن کا اندازِ بیاں اتنا زبردست تھا کہ ہنسی روکنا مشکل ہوگیا۔ دل چاہتا کہ سب کو بھی سنا کر اس ہنسی میں شامل کرلوں۔ بنت شکیل اختر بھی بہترین کہانی کے ساتھ تشریف لائیں۔ فرزانہ آپی بہت عرصے بعد آئیں اور 'رازِ حیات' سمجھا گئیں۔ زاہدہ آپی نے بہت اچھی والی چالاک بننے کا بہترین گر بتایا۔ بہرحال شمارے میں اگر دس صفحات والی تحریر بھی پرتاثیر ہے تو دس سطروں والی بھی سب ایک سے بڑھ کر ایک رہیں۔ غرضیکہ مکمل شمارہ ہی اپنی مثال آپ تھا۔ اختصار کے پیشِ نظر سب کہانیوں پہ تبصرہ نہیں کیا، لیکن ہر ایک ہی مقبولیت کا درجہ پا کر ہی اس رسالے میں جگہ لے سکی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی محنت اور اخلاص کو قبول فرمائے، اور بہترین اجر سے نوازے آمین! (سائرہ طارق۔ فیصل آباد)

ج: آمین ثم آمین۔ بہت شکریہ!

❁ اَلف نمبر میرے ہاتھوں میں ہے۔ بچوں کا اسلام کا الف نمبر ایک ہزار صفحات کا شائع کر کے جو چاٹ آپ نے ہمارے منہ کو لگا دی ہے تو اب خواتین کا اسلام الف نمبر ہونے کے باوجود صرف ۱۴۸ صفحات کا کچھ ہضم کرنا کچھ مشکل ہو رہا تھا، لیکن جب پڑھ کر فارغ ہوئے تو دل کو آپ کے اِس قول کی تائید کرتے ہوئے پایا کہ ''کوئی بور اور بھرتی کی تحریر آپ اس شمارے میں نہیں پائیں گے!'' تبصرہ کرنا ہمیشہ ہی سے مشکل لگتا ہے، لیکن خاص نمبر بلکہ الف نمبر پر تبصرہ نہ کرنا زیادتی لگتا ہے۔ چند تحریریں جنھوں نے بہت زیادہ متاثر کیا، ان میں ''نور الدنیا وال آخرۃ'' پڑھ کر بلامبالغہ آخر میں آنکھیں بھر آئیں۔ محبت اور پھر عزم بندے سے سب کچھ کروا لیتے ہیں۔ اللہ پاک یہ سعادت ہمیں بھی عطا فرما دیں۔ ''وہ خط جو اُن کے ہاتھ سے!'' اللہ اللہ! یہ سچی روداد ہے؟ (جی ہاں!) اللہ پاک کی طرف سے ہدایت کے فیصلے ہو جائیں تو ایک مصرع بھی سبب بن جاتا ہے۔ ''علمی درسگاہوں کی روشنی میں'' پڑھ کر خیال آیا کہ کچھ لوگوں کو اللہ پاک بچپن سے ہی اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں۔ لگتا ہے باجی جان اپنے بچپن میں بھی باجی جان ہی تھیں۔ 'تم فارغ ہو!' 'محبوب خلائق' 'میرے ہونٹوں سے خوشبو نہیں جاتی' اور 'بزم خواتین' میں ام زینب کا خط سبھی بہت پراثر تحریریں تھیں۔ ام زینب! میں آپ سے سو فیصد متفق ہوں۔ 'تعلیم بالغاں' پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ کچھ تحریر کی شگفتگی سے اور کچھ یہ سوچ کر کہ اس صورتحال کا سامنا صرف ہم اکیلے ہی نہیں کر رہے۔ 'آپ کا کیا خیال ہے؟' اہلیہ شفقت خان ویل ڈن! بہت اچھا نکتہ اٹھایا ہے آپ نے۔ ''ماں کو زندہ رہنے دو''، 'مغرب میں عورت' اور 'کم سے کم کا فلسفہ' بھی بہت اچھے موضوع پر لکھی گئی اچھی تحریریں ہیں۔ ساجدہ غلام محمد کی کہانیاں ہمیشہ ہی دلچسپ ہوتی ہیں، مگر اس بار 'ٹکڑوں کوں' زیادہ اچھی نہیں لگی۔ وہ اِس سے مزید اچھا لکھ سکتی تھیں۔ پرانی لکھاریوں کی تحریریں اس دفعہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھیں، لیکن مجموعی طور پر اس شمارے میں نئی لکھاریوں کی تحریروں نے زیادہ متاثر کیا۔ 'آپ کا دسترخوان' میں ایک سلسلہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ جو بہن کھانے کی ترکیب بھیجیں، وہ سب وہ کھانا پارسل بھی کریں۔ اب ہمیں نہیں پتا کہ یہ کیسے ہوگا؟ لیکن اصل مزہ تو یہی ہے نا کہ اِدھر ترکیب پڑھ کے منہ میں پانی آ رہا ہو اور اُدھر وہ ڈش بنی بنائی حاضر ہو جائے۔ نظموں میں 'بیٹی' 'میرے سرکار کی دنیا' اور 'وہ صبح منور کے کی' بہت پسند آئیں۔ مجموعی طور پر سارا شمارہ ہی بہترین تھا، لیکن خواتین کا اسلام کا اَلف نمبر ہمیشہ گلہ کرے گا کہ مدیر بھائی نے اس میں اپنی ایک بھی تحریر نہیں لگائی۔ (زوجہ عبدالوحید شہزاد۔ شورکوٹ)

ج: مدیر بھائی کی 'کچھ باتیں' تو موجود تھیں۔ ویسے اگر دیکھا جائے تو پورا شمارہ ہی مدیر کا تھا!

❁ ۱۹ جولائی الحمد للہ کر کے بڑی مشکلوں سے اَلف نمبر ہاتھ آیا۔ سرورق کو میری طرف سے پورے سو نمبر! جو جو کہانی پڑھتا جاتا، ساتھ ساتھ دل میں آنے والا پہلا تاثر رقم کرتا جاتا۔ ابتدا بہت ہی عمدہ تحریروں 'زمین بولتی ہے' اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے ہوئی۔ 'خانہ دل آباد رہے' اس کہانی کی طوالت کو دیکھ کر میں آگے بڑھنے لگا تھا کہ نظر ان الفاظ پر پڑی: 'الف نمبر کا توشہ خاص!' بس یہ پڑھتے ہی پڑھنے لگا، اور سچی بات ہے کہ اس کہانی کی تعریف کے لیے میرے پاس صحیح الفاظ ہیں ہی نہیں بس اتنا کہوں گا کہ اگر کل نمبر سو ہیں تو میں اسے دو سو نمبر دیتا ہوں۔ مکالمے اور منظر کشی اتنے خوبصورت کہ بس! تصوف کو اتنے عمدہ انداز میں سمجھایا کہ بتا نہیں سکتا۔ 'اس سوچ کا کیا علاج ہو؟' پڑھ کر دل واقعتا اداس ہوگیا۔ اس تحریر کے رنج سے ابھی نکلا نہیں تھا کہ ''اللہ کے لیے'' نے جیسے زخموں پر نمک چھڑک دیا۔ رنجیدہ دل سے اگلی تحریر 'میری نند' شروع کی تو تیسرے ہی جملے پر ہنسی چھوٹ گئی۔ کیوں کہ اس جملے کا ہم مذکر کے صیغے کے ساتھ خود کو مصداق پاتے تھے۔ اس تحریر نے ہمیں خوب ہنسایا۔ عائشہ غضنفر اللہ صاحبہ کی تحریر 'ان کے ہوتے ہوئے' ہمیشہ کی طرح پرتاثیر رہی۔ 'ہم سفر یادیں تیری' پڑھ کر بے اختیار لب ہلے اور یہ دعا نکلی: 'یا اللہ! ہمیں بھی ان جیسا بنا دیجیے۔ آمین!' یہ تحریر پڑھ کر دل و دماغ میں اپنے خالو، سابق استاذ الحدیث جامعۃ الرشید مفتی محمد عامر شہید اور سابق استاذ الحدیث وناظم تعلیمات جامعہ اشرف المدارس مفتی ارشاد صاحب نور اللہ مرقدہم کا تصور آ گیا۔ مفتی عامر اور مفتی عباسی ایک جیسی سعید روح لگے۔ 'حسن لازوال' میں کمال کے مکالمے اور جنت کے مہکے والا تصور بھی کیا خوب تھا۔ تاریخی جملے نے

ایمان تازہ کر دیا۔ 'مجھے میری بیگم سے بچاؤ' ڈاکٹر سارہ الیاس کے قلم کا ہی شاہکار ہوسکتی تھی۔ 'سونا چاندی کا گھر' بہت عمدہ اور جذبات کے ٹھہرے سمندر میں ہلچل مچاتی کہانی تھی۔ کتنے خوبصورت انداز میں کتنا پیارا درس دیا۔ ایسی کہانی عطا ہونے پر مصنفہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ 'نور الدنیا وال آخرۃ' اتنی پرتاثیر آپ بیتی لگی کہ اسے اپنے موبائل کے گوشۂ خاص میں محفوظ کر لیا کہ آئندہ اس تحریر کو میں اپنے دل کی آواز کے طور پر استعمال کر سکوں گا کسی بہت ہی خاص کے آگے۔ پچھلے دنوں ہی باجی، امی کو بتا رہی تھیں کہ حضرت فیروز میمن صاحب نے اپنے بیانات میں خواتین کو حفظ کرنے کی ترغیب دی اور نجانے کتنی بہنوں نے حفظ قرآن مکمل بھی کر لیا، جن میں شادی شدہ اور بچے والیاں بھی شامل ہیں۔ 'وہ خط جو ان کے ہاتھ سے!' ویسے ہی مجھے جذبات کی رو میں لیے بہے جا رہی تھی کہ اچانک کہانی نے اُس سمت اپنا رخ کیا جہاں ہر وقت ہمارا دل اٹکا رہتا ہے۔ جی ہاں! حرمین کا نام آئے اور دل نہ مچلے؟ اس تحریر پر بھی دل مچل مچل اٹھا۔ مجموعی طور پر کمال تحریر! محترمہ ریحانہ تبسم فاضلی کے بارے میں مجھے یہ تو پتا تھا کہ یہ ان دو خواتین میں سے ایک ہیں جن کا مدیر صاحب دل سے بہت زیادہ احترام کرتے ہیں، ان کی میں نے پہلی تحریر پڑھی۔ واقعی یہ مشاہدے کی بات ہے، جنھیں اللہ اپنے خاص بندوں میں چنتا ہے، وہ بچپن سے ہی منفرد ہوتے ہیں۔ 'تم فارغ ہو' بہت عمدہ کہانی تھی۔ بس مجھے ایسا لگا کہ سویرا کے جذبات کی مزید بھرپور طریقے سے عکاسی ہونی چاہیے تھی۔ عمارہ اقبال صاحبہ نے مختصر کہانی میں عمدہ سبق دیا۔ 'وبا' پڑھ کر سوچتا رہا کہ واقعی یہ وبا ہمارے معاشرے کو دیمک طرح چٹ کر رہ گئی ہے۔ 'محبوب خلائق' پڑھ کر ایمان بھی تازہ ہوا اور اپنی آخرت کے سنوارنے کے لیے فوراً دعا کی توفیق ہوئی۔ 'میرا برقع میری عزت' پڑھ کر خوشی ہوئی۔ الحمدللہ! ہمارے گھر میں بھی بچیاں سات آٹھ سال سے ہی برقع لینا شروع کر دیتی ہیں۔ 'ایک سوری' پڑھ کر میں یہی کہوں گا کہ کاہلی، لاپروائی اور بے حسی تو بہت چھوٹے الفاظ ہیں، ایسی حرکت کے لیے تو دس بارہ مبالغوں سے بھرے صیغوں کا مرکب استعمال کیا جانا چاہیے۔ سچ میں کہانی کے اختتام پر میں مٹھیاں بھینچ رہا تھا کہ کوئی ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ فوزیہ خلیل صاحبہ کی کہانی سالنامے کی چند طویل کہانیوں میں سے تھی، مگر اس نے طوالت کا حق ادا کیا۔ کمال کہانی۔ 'ایک سچا خواب' پڑھ کر رشک کے جو جذبات امڈ آئے، وہ بتائے نہیں جا سکتے۔ نماز کے اہتمام کا مزید عہد کیا۔ نلکیوں کا مسئلہ ہلکی پھلکی شگفتہ سی تحریر۔ اب میں خانہ داری کے مسئلوں میں بھی ماہر ہوتا جا رہا ہوں، آنے والے دنوں میں شاید رعب جھاڑنے کے کام آسکے۔ فاطمہ عمران صاحبہ کی تحریر 'شریک حیات سے جھگڑیں' اتنے مزے کی تھی کہ پڑھتے پڑھتے ہنسی کا گول گپا بن کر رہ گئے۔ 'دشمن جاں' میں بہت دلچسپ انداز اختیار کیا گیا ایک خوبصورت پیغام پہنچانے کا۔ 'ککڑوں کوں' مزاحیہ اسلوب میں لکھی گئی کہانی سالنامے میں ذرا سا تنوع بھی پیدا کر رہی تھی۔ دلچسپ اور ہلکے پھلکے مزاج والی کہانی جس کے مکالمے بھی لاجواب تھے۔ 'بن نہ پڑا' بھی بہت مزے کی زور زور سے ہنسانے والی تحریر ثابت ہوئی۔ عفت مظہر صاحبہ کی کہانی 'گرد راہ' ذرا مختلف موضوع پر تھی جسے بہت عمدہ انداز میں نبھایا گیا۔ 'ٹھنڈا لوہا' میں بہت عمدہ فلسفہ بڑی عمدہ مثال سے سمجھایا گیا کہ دلچسپی باقی رہی۔ 'میرے ہونٹوں سے خوشبو نہیں جاتی' آنکھوں کو نم کر دینے والی لاجواب کہانی تھی۔ 'تعلیم بالغان' بہت مزے کی دلچسپ تحریر جسے پڑھ کر ہنسی بھی آئی۔ خیال ہوا کہ واقعی یہ بہت مشکل کام ہے۔ 'مالک کون؟' میں بہت ہی اہم مسئلے پر توجہ دلائی۔ اسے پڑھنے کے اگلے دن ہی اتفاقاً درس گاہ میں استاد جی نے دوران تفسیر جملہ معترضہ کے طور پر یہی مسئلہ بیان فرمایا، اس میں آج کل برتے جانے والی غفلت اور اکابر کی معاملات میں صفائی کی چند مثالیں دیں کہ کیسے وفات سے پہلے ہی وہ ایک ایک پائی کا حساب کلیئر رکھتے تھے اور پھر ہمیں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا رسالہ 'صفائی معاملات' پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ باجی عامرہ احسان صاحبہ کا انٹرویو بہت سے اسباق لیے بے حد مفید ثابت ہو، ابھی جاری ہے تو مکمل ہونے پر اس پر بھرپور تبصرہ ہوگا۔ 'میں گوشت نہیں کھاتی' پڑھنے کے بعد سر پر گوشت کچھ اتنا سوار ہو گیا تھا کہ میں یہ مکمل کرتے ہی جامعہ سے باہر کسی کام سے گیا، رستے میں سوچا کہ گارڈ سے اخبار کی بابت معلوم کر لوں۔ میں اس کے پاس جا کر بولا: 'یار! گوشت آیا ہے کیا آج کا؟' پھر خود ہی خجالت کو مسکراہٹ کے پردے میں چھپانے لگا۔ 'ڈوئی سائنس' مزاحیہ کہانی تھی، جس میں تراکیب بہت خوب استعمال کی گئیں خصوصاً آخر میں بچوں کے ساتھ مکالمے بڑے دلچسپ تھے۔ 'رازِ حیات' میں زندگی کا فلسفہ اور بہت سی حکمتوں کے موتی پوشیدہ تھے۔ 'تبصرہ نہیں کرنا' پڑھتے ہوئے شدید احساس ہوا کہ ہم روزمرہ کی زندگی میں نجانے کتنے تبصرے کر جاتے ہیں؟ اس کے علاوہ "بہت چالاک ہو تم، غیاب الجب، اف یہ خانے، بڑے خاندان، تم نے جھیل دیکھی ہے، میں نے پردہ کیا، چار بچے، سکھانا ضروری ہے، آئیں وقت بڑھائیں، ماں کو زندہ، مغرب میں عورت، محبت سے سکھایئے اور کم سے کم کا فلسفہ" ساری ہی ایک سے بڑھ کر ایک ثابت ہوئیں۔ ان کو ایک ساتھ ذکر کرنے پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مزے کی نہیں تھیں، دراصل اوپر کی تحریروں میں اچھی، مزے کی، دلچسپ، خوب عمدہ شاندار سارے الفاظ استعمال ہو گئے تھے تو سوچا کہ یہ والی ترکیب استعمال کی جائے کہ ماشاءاللہ ایک سے بڑھ کر ایک، اور اسے تب ہی استعمال کر سکتے ہیں جب کہانیاں کثرت سے ہوں۔ 'ہائے میرا ڈپریشن' پڑھ کر مصنفہ کے لیے دل سے دعا نکلی۔ اگرچہ تحریر کو مزاحیہ انداز میں لکھا گیا تھا، مگر یہ مرض درحقیقت ہے بڑا خطرناک۔

سب سے آخر میں، میں رسالے کی جان کہانی 'اجنبی' کا تذکرہ کروں گا۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جس وقت وہ کہانی پڑھی تو میں اس قابل ہی نہ تھا کہ کچھ لکھ ہی پاتا۔ دوسری وجہ یہ کہ اس کہانی کے لیے جو جملہ دل میں شدت سے آیا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ اسے رسالہ مکمل کر کے لکھا جائے وہ یہ کہ میں اس کہانی کو تاثیر میں پورے شمارے میں موجود ساری کہانیوں سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ اتنی لاجواب کہانی لکھنے پر مصنفہ بہت بہت مبارکباد کی مستحق ہیں۔ میں اپنے دل کے جذبات کی نیلامی الفاظ کے ذریعے نہیں کرنا چاہتا جو یہ کہانی پڑھ کر پیدا ہوئے۔ دوسرے نمبر پر رہی 'خانہ دل آباد رہے' اور تیسرے پر اگر میں تین کہانیوں کو بھی رکھوں، تب بھی انصاف نہ ہوگا۔ بہرحال "میری نند، میری بیٹی آگئی اور ایک سوری" تیسرے نمبر پر رہیں۔ اس کے علاوہ "شریک حیات سے جھگڑیں" اور "تم فارغ ہو" کو میں اعزازی پوزیشن دیتا ہوں۔

مدیر صاحب کے لیے بس اتنا ہی کہ کبھی کبھی تو ان کی قسمت پر رشک آتا ہے۔ صرف یہ خاص نمبر دیکھ لیجیے، اتنا پرتاثیر ہے کہ کوئی بھی اس کے مثبت اثر سے اسے پڑھنے کے بعد بچ نہیں سکتا۔ اچھی چیزیں اپنانا جیسے نماز کا خصوصی اہتمام، درود پاک کی کثرت، دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق پیدا ہونا، اور بری چیزیں جیسے گھریلو جھگڑے، ناجائز تعلقات سے بچنا وغیرہ وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رسالہ بہت بہت زیادہ اصلاح و خیر کا باعث بنے گا، میں بچوں کا لکھاری ہوں لیکن اگر یہ کہوں کہ تاثیر کے لحاظ سے اس الف نمبر کے ڈیڑھ سو صفحات، بچوں کا اسلام کے ہزار صفحات پر بھاری ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اللہ آپ سب کو خوش رکھے، آمین! (محمد فضیل فاروق۔ میرپور خاص)

بنت الاسلام

سہارا

35

ایک مومنہ کی کہانی
اس کا آشیانہ
تنکا تنکا بکھر گیا

آگے کئی سطریں ایسی لکھی تھیں جو بالکل نہیں پڑھی جاتی تھیں کیونکہ الفاظ آنسوؤں کے قطروں سے پھیل چکے تھے۔ شائستہ اور ارجمند کی شادیوں کے تیسرے دن ہی منیرہ کو یہ خط مل گیا تھا اور اُس کے بعد اگرچہ منیرہ نے ماجد سے ملنے کی بہت کوشش کی، مگر نہ ماجد خود لاہور آتا تھا اور نہ منیرہ کو راولپنڈی آنے کی اجازت دیتا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ وہ کسی رشتے دار کو، خصوصاً منیرہ کو منہ نہیں دکھائے گا اور اگر منیرہ نے زبردستی اُس سے ملنے کی کوشش کی تو عجب نہیں کہ اس کا دل بند ہو جائے۔

تھوڑے دنوں بعد ہی ماجد کا مقدمہ عدالت میں آ گیا اور اس کی جو رسوا کن تفصیلات شائع ہونی شروع ہوئیں، وہ اخلاق صاحب جیسے دل کے مریض کی برداشت سے باہر تھیں۔ انھیں دل کا شدید دورہ پڑ گیا اور اس دفعہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔

صالحہ بیگم کے سر پر ایک دم مصائب کا پہاڑ آ گرا۔ زندگی کے ایسے ہمدرد اور قدردان ساتھی کا بچھڑ جانا ہی اُن کے لیے کچھ کم اذیت ناک نہ تھا کہ اس کے ساتھ سخت قسم کی مالی مشکلات نے بھی آ لیا۔ اخلاق صاحب کی آمدنی اتنی ہی تھی جس سے عزت و آبرو سے گزارا ہو جاتا اور بچوں کے فرائض ادا کرنے کے لیے کچھ پس انداز ہو جاتا تھا۔ اب ایک تو اخلاق صاحب کی بیماری کے باعث کافی رقم خرچ ہو چکی تھی، پھر چار شادیاں ایک ساتھ ہوئی تھیں، اگرچہ اُن میں نمائشی دھوم دھام نہیں کی گئی تھی تاہم جو کچھ بھی بینک میں تھا، خرچ ہو گیا تھا اور اب دار و مدار اخلاق صاحب اور امجد کی تنخواہوں پر ہی رہ گیا تھا۔ امجد کو ملازم ہوئے ابھی اتنا عرصہ نہیں ہوا تھا کہ اس کی تنخواہ زیادہ ہو گئی ہوتی۔ گھر کا اصل ذریعۂ آمدنی تو اخلاق صاحب کی تنخواہ ہی تھی۔ امجد بھی کچھ شامل کر دیتا تھا اور اچھی گزر بسر ہو جاتی تھی۔ اب اخلاق صاحب کی وفات کے باعث وہ رقم تو ایک دم بند ہو گئی اور سارے اخراجات امجد کی تنخواہ پر آ پڑے۔

امجد سے چھوٹا بھائی سعید سرگودھا میں ملازم تھا۔ وہ تو اپنی بیوی کو لے کر وہیں چلا گیا، مگر امجد کی بیوی کو اسی گھر میں رہنا تھا۔ بدقسمتی سے نوشابہ مزاج کی از حد تیز تھی۔ جونہی شادی ہوئی، وہ اس فکر میں پڑ گئی کہ کسی طرح امجد کو اس گھر سے نکال کر دوسرا گھر لینے پر مائل کرے۔

صالحہ بیگم خود اِس بات کی حامی تھیں کہ بہوئیں آزاد ہو کر اپنے الگ گھر میں اپنی مرضی کے مطابق رہیں، لیکن اب وقت یہ آ پڑی تھی کہ اخلاق صاحب کی وفات کے باعث صالحہ بیگم کا اپنا ذریعۂ آمدنی کوئی نہیں رہا تھا۔ انھیں بہر حال بیٹوں ہی سے لینا تھا۔ بیٹوں میں سے ابھی کمانے والے صرف امجد اور سعید ہی تھے۔

منیرہ سے چھوٹا سلیم پہلے ہی باہر گیا ہوا تھا۔

اب چند ماہ سے چوتھا بھائی طاہر بھی وظیفے پر جرمنی جا چکا تھا۔ سعید ہر ماہ ماں کو کچھ روپے بھیج دیتا تھا اور اب جب اس کی شادی ہو چکی تھی، وہ اس سے زیادہ بھیج بھی نہیں سکتا تھا۔

صالحہ بیگم اپنے سارے سگھڑ پن کے باوجود سخت قسم کی مالی مشکلات میں مبتلا ہو گئیں۔ اپنے دو چھوٹے بچوں کے علاوہ منیرہ اور اُس کے تین بچوں کا خرچ بھی اب انھی کے سر پر آ پڑا تھا۔

ماجد کا مقدمہ کئی ماہ جاری رہا اور آخر اس کے خلاف فیصلہ ہوا۔ اس کا سارا اثاثہ اور قیمتی اشیا جرمانے کی نذر ہو گئی تھیں اور اب وہ کچھ کردہ اور کچھ ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہا تھا۔ منیرہ نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ کسی طرح اس سے جا کر مل لے مگر ماجد نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ نہ منیرہ خود اسے آ کر ذلت کی حالت میں دیکھے اور نہ بچوں کو لا کر دکھائے۔

صوفی نیاز علی اور حمیدہ بیگم کو اس صدمے نے نڈھال کر دیا تھا۔ حمیدہ بیگم تو ایسی چارپائی سے لگیں کہ پھر نہ اٹھ سکیں۔ رشید اور امین نے بچوں کے اخراجات اپنے ذمے لینے چاہے، مگر منیرہ کی غیرت مند طبیعت نے اسے گوارا نہ کیا۔ اس نے خیال کیا کہ دیور جیٹھ کا احسان لینے کی بجائے بھائیوں کا احسان لینا زیادہ بہتر ہے، مگر بھائیوں کے ساتھ اب بھاوجوں کا معاملہ بھی آ پڑا تھا۔

نوشابہ کو اول تو مشترکہ رہائش ہی منظور نہ تھی، اس پر مزید یہ کہ سارے کنبے کی کفالت اب امجد کے ذمے آ پڑی تھی۔ اگرچہ امجد اِس ذمے داری کو پورا کرنے کے لیے بخوشی تیار تھا، مگر نوشابہ سخت ناراضی کے عالم میں رہتی۔ ابتدائی چند ماہ تک گھر کا خرچ صالحہ بیگم کے اپنے ہاتھ میں رہا تو حالات کچھ نہ کچھ درست ہی رہے، پھر جب صالحہ بیگم پر اچانک فالج کا حملہ ہو گیا اور راضیہ اور منیرہ ان کی تیمارداری میں لگ گئیں تو گھر کا خرچ اور گھر چلانے کی ذمے داری، دونوں باتیں نوشابہ پر آ پڑیں۔ اس کے بعد گھر کے حالات روز بروز خراب ہوتے چلے گئے۔

وہی گھر جہاں امن، سکون، سلیقے، قرینے اور خیر و برکت کا راج تھا اور کونے کونے سے خوشحالی ٹپکتی تھی، وہاں ہر وقت اخراجات کی زیادتی کے رونے روئے جانے لگے اور ایک عام بدنظمی اور بے ترتیبی کا عالم رہنے لگا۔ ابھی چند ماہ پہلے ہی کی بات تھی کہ اِس گھر کے رہنے والے ایک دوسرے پر جان دیتے تھے اور اب ان کے باہمی تعلقات میں انتہائی شدید کھچاؤ پیدا ہو چکا تھا کہ نہ نوکر اور نہ آقا، نہ مہمان اور نہ میزبان، کسی کے اعصاب کو سکون نہیں تھا۔

نوشابہ کو گھر کے نوکروں کے خلاف بھی بہت شکایات تھیں۔ (جاری ہے)